IQBAL REVIEW (66: 1)
(January – March 2025)
ISSN: P0021-0773
ISSN: e3006-9130

اقبال کی شاعری میں قرآن کی روح اور نو آبادیاتی پس منظر

The spirit of the Quran and the colonial backdrop in Iqbal's poetry

ڈاکٹر جاوید اقبال جاوید
ایسوسی ایٹ پروفیسر / صدرِ شعبہ اُردو،
دی امپیریل کالج آف بزنس سٹڈیز،
لاہور

ABSTRACT

In the poetry of Allama Iqbal, the spirit of the Quran and the colonial backdrop intertwine to convey a profound message of self-awareness, liberation, and spiritual awakening for the Muslim Ummah. Iqbal, influenced by the Quran's teachings, emphasized the concept of "selfhood" (Khudi), urging Muslims to rediscover their inner strength and autonomy in the face of colonial subjugation. The Quran, for Iqbal, was not merely a religious text but a comprehensive guide for personal and collective transformation. In his poetry, Iqbal highlighted the Quran's role in fostering intellectual independence, moral integrity, and unity among Muslims, which he saw as essential for overcoming the mental and political domination of colonial powers. In

the context of colonialism, Iqbal believed that the Muslim world, weakened by internal divisions and external oppression, could reclaim its dignity and autonomy by returning to the Quranic teachings. He called for a renaissance based on the principles of the Quran, which would allow Muslims to break free from Western imperialism and reconstruct their identity. Iqbal's poetry calls for the revitalization of Islamic thought through Ijtihad (independent reasoning) and self-reflection, proposing that the Quran holds the key to both spiritual and political liberation.

Keywords: Allama Iqbal, self-awareness, collective transformation, Quran's role, Quranic teachings, Western imperialism

علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷-۱۹۳۸) برصغیر کے ایک عظیم شاعر، فلسفی اور مفکر تھے جنھیں ''شاعرِ مشرق'' اور ''مفکرِ اسلام'' کے القابات سے نوازا گیا۔ اُن کی شاعری اور فلسفہ اسلامی اصولوں، مشرقی روحانی اقدار اور نو آبادیاتی غلامی سے نجات کے پیغام پر مبنی ہے۔ اقبال کی شخصیت کا ایک اہم پہلو ان کا قرآن سے گہرا تعلق تھا، جو ان کے فلسفے اور شاعری کی بنیاد ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں قرآن کے انقلابی پیغام کو اُجاگر کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی خودی پہچاننے اور اپنی تقدیر خود بنانے کی ترغیب دی۔ اقبال نے نو آبادیاتی نظام اور مغربی تہذیب کی سخت تنقید کی اور امتِ مسلمہ کے اتحاد اور بیداری پر زور دیا۔ خطبۂ الہٰ آباد (۱۹۳۰) میں انھوں نے ایک الگ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا، جو بعد میں تحریکِ پاکستان کی بنیاد بنا۔ اقبال کی فکر اور شاعری آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک مشعلِ راہ ہے، جو ان کی روحانی اور عملی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

برتر از اندیشۂ سُود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دُنیا آپ پیدا کر اگر زِندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے، ضمیرِ کُن فکاں ہے زندگی [۱]

علامہ اقبال کا قرآن سے تعلق انتہائی گہرا اور قلبی تھا، جو ان کی فکر، شاعری، اور فلسفے کا بنیادی محور تھا۔ قرآن کو وہ محض ایک مذہبی کتاب کے طور پر نہیں، بلکہ ایک زندہ اور انقلابی رہنما کے طور پر دیکھتے تھے۔ اقبال کے نزدیک قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو انسان کو اس کی اصل حقیقت سے روشناس کراتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ قرآن محض عبادات تک محدود نہیں، بلکہ یہ انسان کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔ اقبال نے بارہا اس بات پر زور دیا کہ مسلمان جب تک قرآن کی تعلیمات کو عملی زندگی میں نافذ نہیں کریں گے، وہ زوال کا شکار رہیں گے۔ ان کی شاعری میں قرآن کے تصورات جیسے توحید، خودی، اجتہاد، اور انسان کی عظمت نمایاں ہیں۔ اقبال نے کہا تھا'' :مسلمانوں کی زوال کی سب سے بڑی وجہ قرآن کو ترک کرنا ہے۔ "ان کی

زندگی اور فکر کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ مسلمان قرآن کی روح کو سمجھیں، اسے اپنی زندگی میں نافذ کریں اور اس کی روشنی میں اپنی تقدیر خود بنائیں۔ اقبال کے بقول:

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!
حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قُرآں ہو کر (۲)

نو آبادیاتی دور کا آغاز ۱۸ویں صدی کے آخر اور ۱۹ویں صدی کے شروع میں برطانوی سامراج کے ہندوستان پر قبضے سے ہوا۔ انگریزوں نے برصغیر میں اپنی حکمرانی قائم کرنے کے لیے طاقت، سازش اور اقتصادی استحصال کا استعمال کیا۔ برطانوی حکمرانی نے نہ صرف برصغیر کی سیاسی آزادی کو سلب کیا بلکہ اس کی معیشت، ثقافت اور تعلیم پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ انگریزوں نے ہندوستانی وسائل کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور ہندوستان کو اپنی تجارت اور جنگی ضروریات کے لیے محض ایک خام مال کی سپلائی کا مرکز بنا دیا۔ نتیجتاً، ہندوستان کی معیشت کو شدید نقصان پہنچا، اور مقامی صنعتیں تباہ ہو گئیں۔ اس دور میں انگریزوں نے مقامی طبقوں کو اپنی حکمرانی کو مستحکم کرنے کے لیے آپس میں تقسیم کیا، جس کا اثر بعد میں برصغیر کے سماجی اور سیاسی ڈھانچے پر بھی پڑا۔

نو آبادیاتی اثرات کا سب سے زیادہ اثر برصغیر کے مسلمانوں پر پڑا۔ انگریزی تعلیم اور مغربی تہذیب کا غلبہ مسلمانوں کے روایتی نظامِ تعلیم اور ثقافت پر ایک زبردست چیلنج بن گیا۔ مسلمانوں کی سیاسی قوت کمزور پڑ گئی، اور وہ معاشی طور پر بھی پسماندہ ہو گئے۔ اس کے علاوہ، انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو غیر مستحکم کرنے کے لیے فرقہ وارانہ تفریق کو ہوا دی، جس کا طویل المدتی اثر برصغیر کے مسلم اور غیر مسلم فرقوں کے تعلقات پر پڑا۔ اس دوران، مسلمانوں میں ایک فکری بیداری پیدا ہوئی اور انھوں نے اپنی حیثیت اور شناخت کو دوبارہ مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ اس پس منظر میں، علامہ اقبال نے مسلمانوں کے احیاء کے لیے اپنی شاعری اور فلسفے کے ذریعے انہیں اپنی خودی، اتحاد اور اسلام کی اصل تعلیمات کی طرف واپس لانے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں اقبال کے اشعار دیکھیے:

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دِلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب
بُت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برَہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہِ محراب
مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فِطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحَر کر!(۳)

علامہ اقبال کی شاعری میں قرآن کی روح ایک مرکزی مقام رکھتی ہے، اور وہ اسے انسان کی فکری اور روحانی رہنمائی کا ذریعہ مانتے تھے۔ اقبال نے قرآن کے انقلابی پیغامات کو اپنی شاعری میں اجاگر کیا، خاص طور پر اس کی تعلیمات جو انسان کی خودی، توحید، اور عمل کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ قرآن کی روح کو اقبال نے نہ صرف دینی سطح پر، بلکہ ایک عالمی پیغام کے طور پر پیش کیا جس میں انسان کی ذاتی اور اجتماعی آزادی کی بات کی گئی ہے۔ ان کے اشعار میں قرآن کی تعلیمات کا عکاس واضح طور پر ملتا ہے، جیسے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

یہ اشعار قرآن کے پیغامِ خودی اور انسان کی تقدیر کے حوالے سے ان کی گہری فہم کو ظاہر کرتے ہیں۔ اقبال کی شاعری میں قرآن کی ہدایت کے مطابق انسان کو اپنے اندر کی طاقت اور صلاحیت کو پہچاننے کی ترغیب دی گئی ہے، تاکہ وہ اپنی تقدیر کا خود مالک بنے اور دنیا میں اپنا مثبت کردار ادا کرے۔ اقبال کی شاعری میں قرآن کا پیغام نہ صرف ایک فرد کی اصلاح بلکہ امت مسلمہ کی فکری اور عملی بیداری کے لیے بھی ہے۔

نو آبادیاتی دور میں جب برطانوی سامراج نے برصغیر کی سیاسی، معاشی، اور ثقافتی فضا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا تھا، اقبال نے اس پس منظر میں قرآن کی تعلیمات کو اپنانے کا بیڑا اٹھایا تاکہ مسلمانوں کو فکری اور روحانی بیداری حاصل ہو سکے۔ انگریزی استعمار نے مسلمانانِ برصغیر کی شناخت، آزادی اور خودی کو مجروح کیا تھا، اور اس کے اثرات سے بچنے کے لیے اقبال نے قرآن کی تعلیمات کو مسلمانوں کے لیے ایک رہنمائی کے طور پر پیش کیا۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن کی اصل روح، جو توحید،

خودی، اور عدل و انصاف پر مبنی ہے، مسلمانوں کو نہ صرف روحانی سطح پر بلکہ سماجی اور سیاسی سطح پر بھی خود مختاری کے راستے دکھا سکتی ہے۔ اقبال نے قرآن کی تعلیمات کو جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ قرآن کے اصولوں پر عمل کر کے اپنی تقدیر خود بدل سکتے ہیں۔ ان کے مطابق، قرآن انسان کو اس کی مکمل صلاحیتوں کا ادراک دیتا ہے اور اس کی رہنمائی کرتا ہے کہ وہ ظالمانہ نو آبادیاتی نظام کے مقابلے میں اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرے۔ اقبال کی شاعری میں قرآن کے پیغامات کو اس انداز میں پیش کیا گیا کہ وہ نہ صرف ایک مذہبی کتاب کی حیثیت میں بلکہ ایک طاقتور معاشرتی اور فکری دستور کی صورت میں سامنے آئے۔ اقبال لکھتے ہیں:

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حُسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا
بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بِینا
وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمّت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا
فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھّر ہوگئے پانی
مری اِکسیر نے شیشے کو بخشی سختیِ خارا(۴)

علامہ اقبال کی شخصیت پر قرآن کے اثرات نہایت گہرے اور ہمہ گیر تھے۔ قرآن نے اقبال کے فکری، روحانی اور فلسفیانہ نظریات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اقبال نے قرآن کو محض ایک مذہبی کتاب نہیں بلکہ ایک جامع رہنمائی کا ذریعہ سمجھا، جو نہ صرف فرد کی روحانی بیداری کے لیے بلکہ پوری امت مسلمہ کے فلاحی اور سماجی احیاء کے لیے بھی رہبر ہے۔ قرآن کی تعلیمات نے اقبال کو انسان کی خودی، اس کی تقدیر کے مالک ہونے اور اس کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کو پہچاننے کی ترغیب دی۔ ان کے کلام میں قرآن کی روشنی اور اس کی گہری فہم کی جھلکیاں ملتی ہیں، جیسے کہ ان کا مشہور شعر" :خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے، خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے"۔ اقبال کے نزدیک قرآن انسان کو بے شمار امکانات کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کی روحانی و فکری ترقی کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن کی تعلیمات نے اقبال کو مغربی استعمار کے خلاف فکری بغاوت کی تحریک دی اور انہوں

نے مسلمانوں کو قرآن کی اصل روح کے مطابق اپنی تقدیر خود بنانے کی دعوت دی۔ اس طرح قرآن نے اقبال کی شخصیت کو نہ صرف ایک مفکر اور شاعر کے طور پر متاثر کیا بلکہ ان کی فکری جدوجہد اور اسلامی احیاء کے مشن کی بنیاد بھی فراہم کی۔ علامہ اقبال کی شخصیت پر قرآن کے اثرات صرف فکری اور روحانی سطح تک محدود نہیں تھے، بلکہ انہوں نے اسے عملی زندگی میں بھی اپنایا۔ اقبال کا خیال تھا کہ قرآن انسان کو صرف روحانیت تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ اس کی ساری زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رہنمائی فراہم کرتا ہے، خاص طور پر اس کے معاشرتی، اقتصادی، اور سیاسی معاملات میں۔ قرآن نے اقبال کو سکھایا کہ انسان کو اپنی تقدیر کا مالک خود بننا چاہیے، اور اسی خیال کو انہوں نے اپنی شاعری اور فلسفے میں نمایاں طور پر پیش کیا۔ قرآن کی تعلیمات میں اقبال نے انسان کی آزادی، خودی اور فلاح کا پیغام پایا، جس نے انہیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر بیداری پیدا کرنے کی تحریک دی۔ علامہ اقبال کے اشعار دیکھیے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گُفتار میں، کردار میں، اللہ کی برُہان!
قہّاری و غفّاری و قدّوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایۂ جِبریلِ امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قُرآن!(۵)

اقبال کی شاعری میں قرآن کا اثر واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے، جہاں انھوں نے قرآن کے پیغامات کو عصرِ جدید کے تقاضوں کے مطابق پیش کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو یہ سبق دیا کہ وہ قرآن کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں، اور مغربی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے لیے قرآن کی تعلیمات سے رہنمائی لے سکتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک قرآن انسان کی بے پناہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے والا ذریعہ ہے، جو انسان کو اپنی حقیقت اور طاقت کا شعور دیتا ہے، اور اس کو ایک بلند مقصد کی طرف

رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ان کے اشعار میں بار بار قرآن کی تعلیمات کی جھلک ملتی ہے، جیسے کہ:" ہم ایک ہیں، ہم سب کا نبی ایک ہے، ہم سب کا ایمان ایک ہے، اور ہمارا مقصد بھی ایک ہے۔"

اقبال کی فکری جدوجہد نے یہ ثابت کیا کہ قرآن ایک ایسی رہنمائی فراہم کرتا ہے جو نہ صرف فرد کی روحانی بلندی کے لیے ضروری ہے، بلکہ اس کے سماجی، اقتصادی، اور سیاسی عروج کے لیے بھی لازم ہے۔

قرآن کا مطالعہ نے علامہ اقبال کی فکر کو گہرائی سے متاثر کیا اور ان کے فلسفے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ قرآن نے اقبال کو انسان کی خودی، اس کی فطری صلاحیتوں اور اس کی تقدیر کو سمجھنے کی ترغیب دی۔ اقبال کا ماننا تھا کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو صرف روحانی رہنمائی فراہم نہیں کرتی بلکہ انسان کو اپنی عملی زندگی میں کامیابی اور ترقی کے لیے ایک جامع فلسفہ دیتی ہے۔ قرآن کے پیغامات میں انسان کی عظمت، اس کی آزادی، اور اس کی مکمل صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی تعلیمات اقبال کی فکر میں مرکزی مقام رکھتی ہیں۔ اقبال نے قرآن کے ذریعے یہ سمجھا کہ انسان کو صرف مادی دنیا تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ اسے اپنی روحانیت اور اخلاقی اقدار کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔ قرآن کی تعلیمات میں جو انقلابی پیغامات ملتے ہیں، جیسے توحید، عدل، اور انسانی برابری، ان سب نے اقبال کی فکر کو نئی جہت دی۔ اقبال نے قرآن کی روشنی میں مسلمانوں کو خودی کا شعور دلایا اور انہیں اپنی تقدیر کا مالک بنانے کی کوشش کی۔ ان کے اشعار میں قرآن کے اثرات واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں، جہاں انھوں نے قرآن کی ہدایات کو انسان کی فلاح اور کامیابی کا بنیادی ذریعہ سمجھا اور اسے مسلمانوں کے لیے ایک فکری بیداری اور احیاء کا پیغام قرار دیا۔ قرآن کا گہرا مطالعہ اقبال کی فکر میں ایک نیا جذبہ اور وژن لے آیا، جس نے ان کی شاعری، فلسفے اور سیاسی نظریات کو تشکیل دیا۔ قرآن کے ذریعے اقبال نے انسان کی روحانیت اور مادی دنیا کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کی۔ قرآن نے انہیں سکھایا کہ ہر انسان میں بے پناہ طاقت اور صلاحیت موجود ہے، جسے وہ اپنی خودی اور عزم کے ذریعے اجاگر کر سکتا ہے۔ اقبال نے قرآن کے پیغامات میں انسان کے لیے آزادی، خود مختاری اور فلاح کا تصور پایا، جو ان کے فلسفے کا بنیادی حصہ بن گیا۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن نہ صرف ایک مذہبی کتاب ہے، بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو ہر انسان کو اپنی اصل حقیقت سے آگاہ کرتا ہے۔

مزید برآں، اقبال نے قرآن کے وسیع مفہوم کو سمجھا اور اس کی تعلیمات کو اس وقت کی سیاسی و سماجی صورتحال سے ہم آہنگ کیا۔ نوآبادیاتی دور میں جب برطانوی استعمار نے مسلمانوں کو سیاسی طور پر

غلام بنا لیا تھا، اقبال نے قرآن کی تعلیمات سے یہ سبق حاصل کیا کہ امت مسلمہ کو اپنی آزادی اور خودمختاری کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ قرآن نے ان کے دل و دماغ کو یہ سمجھنے میں مدد دی کہ اجتماعی طور پر مسلمانوں کا زوال اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی اصل تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہوں اور اپنی روحانیت کو بحال نہ کریں۔ اقبال کے نزدیک قرآن مسلمانوں کی زندگی کا بنیادی سرچشمہ تھا، جو انہیں دنیا میں کامیابی اور آخرت میں فلاح کی راہ دکھاتا تھا۔ ان کی شاعری میں قرآن کے اثرات اس طرح بھی دکھائی دیتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے ماضی کی عظمت کو یاد دلا کر ان کی فکری و روحانی بیداری کا آغاز کیا، تاکہ وہ قرآن کی روشنی میں اپنی تقدیر خود لکھ سکیں۔

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کرّاری
مِسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری
مَشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا
ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہُوئے تاتاری(٦)

علامہ اقبال کا فلسفہ خودی قرآن کی فکر سے گہرا متاثر ہے، اور اس کی بنیاد انسان کی اصل حقیقت کی تلاش اور اس کی عظمت کی جستجو پر ہے۔ اقبال کے نزدیک "خودی" کا تصور صرف انسان کی ذاتی پہچان تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ انسان کی مکمل فطری صلاحیتوں کا اظہار ہے جسے قرآن کی تعلیمات کے مطابق پہچانا اور بڑھایا جا سکتا ہے۔ قرآن میں انسان کو اللہ کی تخلیق کی بہترین صورت اور اس کا نائب مقرر کیا گیا ہے، اور اقبال نے اس تصور کو اپنی شاعری اور فلسفے میں اس طرح پیش کیا کہ انسان کا مقصد اپنی خودی کو بلند کرنا ہے تاکہ وہ اپنی تقدیر کو خود تخلیق کر سکے۔ قرآن کی تعلیمات جیسے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" (ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے) نے اقبال کو یہ باور کرایا کہ ہر انسان میں بے شمار صلاحیتیں ہیں جو اس کی خودی کے ذریعے ظاہر ہو سکتی ہیں، اور یہ صلاحیتیں تب تک مکمل نہیں ہوتیں جب تک انسان اپنی حقیقی فطرت کو نہیں پہچانتا۔

اقبال کا فلسفہ خودی قرآن کی تعلیمات سے مستعار ایک فکری جستجو ہے، جس کے مطابق انسان کو اپنے اندر کی طاقت اور صلاحیتوں کا ادراک ہونا ضروری ہے۔ قرآن کی رہنمائی میں اقبال نے خودی کو

صرف فرد کی کامیابی تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے اجتماعی سطح پر امت مسلمہ کے احیاء کے طور پر بھی پیش کیا۔ اقبال کے نزدیک قرآن کی تعلیمات انسان کو سکھاتی ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں مقصدیت، عمل اور جدوجہد کو اپنا کر اپنی خودی کو بلند کرے اور اپنے کردار سے معاشرتی تبدیلی لے آئے۔ انہوں نے کہا کہ انسان کو اپنی حقیقت کو تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے، تاکہ وہ نہ صرف اپنی ذاتی ترقی کی راہ ہموار کرے بلکہ وہ اپنے معاشرتی اور اجتماعی کردار کو بھی بہتر بنائے۔ اس طرح، اقبال کا فلسفہ خودی قرآن کی روح سے ہم آہنگ ہو کر انسان کی فکری اور عملی آزادی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> خود آگاہی خودی کا ایک حیرت انگیز خاصہ ہے اسی خاصہ کی وجہ سے کائنات برپا ہے اور انسان کی ساری تگ و دو اور جدوجہد اسی خاصہ کی وجہ سے ہے اس کی وجہ سے خودی اپنے آپ کو بغیر آنکھوں کے دیکھتی ہے اور بغیر کانوں کے سنتی ہے بلکہ اپنے آپ کو کسی حس کی مدد کے بغیر براہ راست پوری طرح سے جانتی ہے میں جانتا ہوں کہ میں ہوں کیوں کہ میں سوچ رہا ہوں جان رہا ہوں اور خوشی یا غم محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن میری کوئی حس مجھے اپنے آپ کو جاننے میں مدد نہیں دے رہی اگرچہ میں اپنی خودی کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا لیکن اس کے باوجود بغیر ان آنکھوں کے اس طرح سے دیکھ رہا ہوں کہ میرے لئے اپنے آپ کا علم ان چیزوں کے علم سے بدرجہا زیادہ یقینی ہے جن کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جانتا ہوں ان کا جاننا میرے لئے اسی وجہ سے ممکن ہے کہ میں اپنی خودی کو جانتا ہوں کیونکہ ان کا علم وہی ہے جس کو میری خودی جانتی ہے اور میری خودی سے باہر ان کا کوئی علم نہیں لہٰذا اگر میں اپنی خودی کو نہ جانوں تو دنیا کی کسی چیز کو دیکھنے کے باوجود نہیں جان سکتا اگر دنیا بھر میں کسی چیز کا کسی چیز کا یقینی علم ہمیں حاصل ہے تو وہ فقط اپنی خودی کا علم ہے۔ ہم اپنی خودی کے علم سے ہی اپنے دوسرے غیر خودی کے علم کو پرکھتے ہیں۔ (۷)

علامہ اقبال کا فلسفہ توحید، انسان کی خودی اور آخرت کے تصورات قرآن کی گہرائی سے متاثر ہیں اور ان کی فکر کا بنیادی محور ہیں۔ توحید، جو اللہ کی واحدیت اور اس کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کا عقیدہ ہے، اقبال کے فلسفے کا سنگ بنیاد ہے۔ اقبال کے نزدیک توحید صرف ایک عقیدہ نہیں بلکہ انسان کے اندرونی انقلاب کی کلید ہے۔ توحید انسان کو اپنی خودی کا ادراک دلاتی ہے، کیونکہ جب انسان اللہ کی واحدیت کو تسلیم کرتا ہے تو وہ اپنی ذات کو خدا کی تخلیق کا ایک حصہ سمجھتا ہے، اور اس میں بے پناہ طاقت اور صلاحیتوں کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ اقبال کا فلسفہ خودی اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان اپنی فطری صلاحیتوں کو پہچانے اور ان کو اللہ کی رضا کی جانب استعمال کرے تاکہ وہ اپنی تقدیر خود بنا سکے۔ قرآن کی

تعلیمات میں یہی پیغام ہے کہ انسان کا مقصد اللہ کی رضا کے لیے اپنی خودی کو بلند کرنا ہے۔ڈاکٹر محمد آصف اس ضمن میں لکھتے ہیں:

مجاہدانہ صفات سے عاری، کوری صوفیانہ صفات، بے ذوق ملائیت اور جابر ملوکیت کے بوجھ تلے دبا مسلمان دوسری جنگِ عظیم کے بعد بھی اپنے افکار میں کوئی مثبت تبدیلی پیدا نہ کر سکا۔پانچ صدیوں کی علمی و عقلی غفلت نے ان کو آج کی ناقدانہ بصیرت سے دور کر دیا ہے۔ذرا کی جدت کو کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پرانے بت کدوں کو آباد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس طرح وہ اجتہاد کی ضرورت اور طریق کار سے بے نیاز ہو گئے ہیں (اقبال نے اپنے خطبے اجتہاد فی الاسلام میں اجتہاد اور اس سے متعلقہ موضوعات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اقبال نے صرف شاعری میں ہی مسلمانوں میں راہ پانے والی مطلق العنان ملوکیت، ملائیت اور منفی تصوف کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ نثر میں بھی ان پر بے لاگ تنقید ہے۔ اس حوالے سے یہاں اقبال کے درج ذیل اقتباس درج کیے جاتے ہیں جن سے تصوف، ملوکیت اور علماء کے بارے میں بھی اقبال کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ [۸]

آخرت کا تصور بھی اقبال کی فکر میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، کیوں کہ وہ اس دنیا کو صرف ایک عارضی مقام سمجھتے ہیں جہاں انسان کی اصل آزمائش ہوتی ہے۔ اقبال کے مطابق، آخرت میں انسان کی کامیابی کا انحصار اس کی دنیا میں کی جانے والی کوششوں پر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے فلسفے میں دنیا اور آخرت کا رشتہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے۔ قرآن کی تعلیمات میں آخرت کی فلاح کا راستہ انسان کے اعمال پر منحصر ہے، اور اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان کو اپنی زندگی میں عمل اور کوشش پر بھرپور توجہ دینی چاہیے تاکہ وہ آخرت میں کامیاب ہو سکے۔ اس طرح، توحید، خودی اور آخرت کے تصورات اقبال کی فکر میں ایک ہم آہنگ نظام کی شکل اختیار کرتے ہیں، جس میں ہر فرد کو اپنی ذاتی اور اجتماعی ترقی کے لیے ایک مقصد فراہم کیا جاتا ہے۔علامہ اقبال نے قرآن کے انقلابی پیغامات کو اپنی شاعری میں نہایت خوبصورتی اور قوت کے ساتھ اجاگر کیا۔ ان کے نزدیک قرآن صرف ایک مذہبی کتاب نہیں، بلکہ ایک ایسی رہنمائی ہے جو انسان کو اپنی تقدیر خود بدلنے کی صلاحیت فراہم کرتی ہے۔ اقبال نے قرآن کی تعلیمات کو اپنے کلام میں اس طرح پیش کیا کہ وہ نہ صرف روحانیت کی بات کرتے ہیں بلکہ عملی زندگی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں، جہاں انسان کو اپنی خودی، آزادی، اور اجتماعی ذمہ داریوں کا شعور حاصل ہو۔ ان کی شاعری میں قرآن کے پیغامات کا گہرا اثر واضح طور پر دکھائی دیتا ہے، جیسے کہ "خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے، خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے"۔ اس

شعر میں اقبال نے قرآن کی تعلیمات کو اس طرح پیش کیا کہ انسان کو اپنی تقدیر کا خود مالک بننا چاہیے، اور یہ عمل قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہے جو انسان کو اس کی عظمت اور خود مختاری کا شعور دیتی ہے۔

مہر و مہ و مشتری، چند نفس کا فروغ
عشق سے ہے پائدار تیری خودی کا وجود
تیرے حرم کا ضمیر اسود و احمر سے پاک
ننگ ہے تیرے لیے سُرخ و سپید و کبود
تیری خودی کا غیاب معرکۂ ذکر و فکر (٩)

اقبال نے قرآن کے انقلابی پیغامات کو اپنی شاعری میں اس انداز میں شامل کیا کہ وہ نہ صرف فرد کی اصلاح کے لیے بلکہ امت مسلمہ کے احیاء کے لیے بھی موثر ثابت ہوئے۔ قرآن کی تعلیمات، جیسے توحید، عمل کی اہمیت، اور عدل، اقبال کے اشعار میں ایک نئے جہت کے طور پر ظاہر ہوتی ہیں، جس میں وہ مسلمانوں کو ایک نئی فکری بیداری کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں قرآن کا پیغام ایک طاقتور اور انقلابی قوت کے طور پر سامنے آتا ہے جو فرد و جماعت کو اپنی تقدیر خود بنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اقبال نے قرآن کی روح کو ایک جدید دنیا میں دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی اور اسے مسلمانوں کے لیے ایک نئی زندگی کا پیغام بنایا، جس میں وہ اپنی مکمل صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہوئے دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ نو آبادیاتی عہد نے برصغیر پر گہرے اثرات مرتب کیے، خاص طور پر انگریزوں کی حکمرانی کے دوران جب مقامی معیشت، ثقافت، اور سیاست کو مکمل طور پر برطانوی مفادات کے تابع کر لیا گیا۔ انگریزوں نے نہ صرف ہندوستان کے قدرتی وسائل کا استحصال کیا بلکہ مقامی صنعتوں کو تباہ کر کے انہیں اپنے تجارتی فوائد کے لیے مفلوج کر دیا۔ اس دور میں ہندوستانی معاشرت میں ایک گہری سماجی اور سیاسی تقسیم پیدا ہوئی، اور برطانوی سامراج نے فرقہ وارانہ تشویشات کو ہوا دے کر مقامی آبادی کو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کیا۔ اس کا اثر مسلمانوں پر خاص طور پر زیادہ پڑا کیونکہ انگریزی حکمرانی نے انہیں اپنی شناخت، ثقافت، اور تعلیم سے دور کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں وہ سماجی و سیاسی طور پر پسماندہ ہو گئے۔ اس نو آبادیاتی اثر کے نتیجے میں مسلمانوں میں ایک فکری بیداری پیدا ہوئی، اور انھوں نے اپنی قوم و ملت کے احیاء کے لیے نئے راستوں کی تلاش شروع کی۔ اس پس منظر میں، اقبال جیسے مفکر نے مسلمانوں کو اپنی خودی اور اپنے مذہبی و ثقافتی ورثے کا شعور دلانے کی کوشش کی۔ اقبال کے خیالات

میں یہ عزم جھلکتا ہے کہ مسلمانوں کو مغربی سامراج کی غلامی سے نجات پانے کے لیے اپنی فکری اور روحانی طاقتوں کا استعمال کرنا ہوگا۔ نوآبادیاتی عہد نے جہاں ایک طرف مسلمانوں کی حالت زار کو بدتر کیا، وہیں دوسری طرف اقبال جیسے مفکروں کو اپنی قوم کی بیداری اور تجدید کے لیے ایک نئی تحریک دینے کا موقع فراہم کیا۔

مشرق کے نیَستاں میں ہے محتاجِ نفَس نَے
شاعر! ترے سینے میں نفَس ہے کہ نہیں ہے
تاثیرِ غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم
اچھّی نہیں اُس قوم کے حق میں عجمی لَے (۱۰)

نوآبادیاتی عہد میں مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، اور فکری حالت ایک زبردست تنزل کا شکار ہو گئی تھی۔ انگریزی حکمرانی کے تحت مسلمانوں کی سیاسی طاقت میں کمی آئی، اور وہ مغربی طاقتوں کے سامنے کمزور اور مقروض ہو گئے۔ ۱۸۵۷ کے جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی اقتدار سے محروم کر دیا گیا بلکہ ان کی معاشی حالت بھی بدتر ہو گئی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو ایک کمزور طبقہ بنا کر ان کے حقوق سلب کر لیے، اور انہیں معاشرتی طور پر بھی پسماندہ کر دیا۔ سماجی سطح پر بھی مسلمانوں کی حالت دگرگوں تھی، کیونکہ انگریزی تعلیم اور مغربی تہذیب کے غلبے نے ان کے روایتی نظام تعلیم اور ثقافت کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ فکری سطح پر مسلمانوں میں انتشار اور غیر یقینی کی حالت چھا گئی تھی، کیونکہ نوآبادیاتی حکمرانی نے ان کی شناخت، مذہب اور ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ مسلمانوں میں ایک فکری خلا پیدا ہو گیا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مغربی اثرات کے زیر اثر اپنی روایات سے دور ہو گئے تھے۔ اس دور میں، اقبال جیسے مفکروں نے مسلمانوں کو اپنی فکری اور روحانی بیداری کی طرف متوجہ کیا، تاکہ وہ اپنی اصل شناخت کو بحال کر سکیں اور مغربی سامراج کے اثرات سے نجات حاصل کر سکیں۔ اقبال نے مسلمانوں کو اپنی خودی اور اسلامی تعلیمات کی اہمیت کا احساس دلایا، تاکہ وہ نہ صرف اپنی فکری حالت کو بہتر بنا سکیں بلکہ سماجی و سیاسی سطح پر بھی اپنی طاقت کو دوبارہ بحال کر سکیں۔

نوآبادیاتی نظام کے خلاف اقبال کا ردعمل ایک فکری اور روحانی بغاوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ انگریزی سامراج نے برصغیر کی معیشت، سیاست اور ثقافت پر اپنے غلبے کو مستحکم کیا تھا، جس سے مقامی عوام خاص طور پر مسلمان اپنے روایتی نظامِ زندگی سے دور ہو گئے تھے۔ اقبال نے اس استعماری نظام کو نہ صرف معاشی اور سیاسی استحصال کے طور پر دیکھا بلکہ اس کی ثقافتی تباہی پر بھی شدید تنقید کی۔ اقبال کا

خیال تھا کہ مغربی طاقتوں نے مسلمانانِ برصغیر کو ان کی اصل شناخت اور روحانی ورثے سے بیگانہ کر دیا تھا۔ ان کا ردعمل یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنی فکری و ثقافتی بنیادوں پر استوار ہونے کی ضرورت ہے تاکہ وہ نوآبادیاتی طاقتوں کے اثرات سے آزاد ہو کر اپنی تقدیر خود لکھ سکیں۔ اقبال نے اپنی شاعری اور خطبات میں مسلمانوں کو اپنی خودی اور عزتِ نفس کو بحال کرنے کی ترغیب دی، اور انہیں بتایا کہ وہ اپنی تقدیر کا خود مالک بن کر مغربی تسلط کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ اقبال کے مطابق، نوآبادیاتی نظام کا سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ اس نے مسلمانوں کو اپنے مذہب، تہذیب اور ثقافت سے دور کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں ان کی روحانی و فکری آزادی سلب ہو گئی تھی۔ اقبال نے مسلمانوں کو قرآن کی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کی طرف واپس مائل کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ اپنے ماضی کی عظمت کو دوبارہ زندہ کریں اور عالمی سطح پر ایک نیا کردار ادا کریں۔ انہوں نے نوآبادیاتی نظام کے خلاف ایک فکری بغاوت کا آغاز کیا، جس کا مقصد مسلمانوں کو اپنی خودی کا ادراک اور اپنے ایمان کی طاقت کو سمجھنا تھا۔ اقبال نے مسلمانوں کو بتایا کہ صرف علمی و فکری بیداری کے ذریعے وہ نہ صرف اپنی ثقافتی اور روحانی شناخت کو بحال کر سکتے ہیں بلکہ وہ عالمی سطح پر بھی ایک طاقتور اور خودمختار قوم کے طور پر ابھر سکتے ہیں۔

مغربی تہذیب اور استعمار پر اقبال کی تنقید اس وقت کی مسلمانوں کی فکری و ثقافتی حالت کے تناظر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ اقبال نے مغربی تہذیب کو اس کے مادیت پرستی اور روحانیت سے بیگانگی کی وجہ سے شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے مطابق، مغربی تہذیب نے انسان کو مادہ پرستی کی دلدل میں دھکیل دیا تھا، جس کے نتیجے میں اخلاقی قدریں، روحانی ترقی اور فکری بیداری محض ایک خواب بن کر رہ گئے تھے۔ اقبال نے یہ سمجھا کہ مغربی تہذیب انسان کی حقیقت اور اس کی فطری صلاحیتوں سے بیگانہ ہو کر اسے صرف مادی کامیابی اور حواس کی تسکین کے پیچھے بھاگنے کی ترغیب دیتی ہے، جو کہ اس کے بنیادی مقاصد کے برخلاف ہے۔ ان کے کلام میں مغربی تہذیب کی اس منفی پہلو کی کھل کر مذمت کی گئی، اور مسلمانوں کو اپنی روحانیت، اخلاقی اقدار اور انسانی ترقی کے وہ اصول اپنانے کی ترغیب دی گئی جو قرآن اور اسلام کی تعلیمات میں مضمر ہیں۔ اقبال نے استعمار پر بھی کڑی تنقید کی اور اسے انسانیت کی تباہی کا سبب قرار دیا۔ ان کے مطابق، مغربی استعمار نے نہ صرف سیاسی و اقتصادی استحصال کیا بلکہ وہ تہذیبی و ثقافتی تسلط بھی قائم کر رہا تھا، جس کے ذریعے مقامی قوموں کو اپنے ماضی اور ثقافت سے بیگانہ کر دیا گیا تھا۔ اقبال کا خیال تھا کہ استعمار نے مسلمانوں کو ان کی اصل شناخت اور خودی سے محروم کر دیا تھا، جس کے باعث وہ ذہنی اور روحانی طور پر غلام ہو گئے تھے۔ اقبال نے استعمار کے اس تسلط کو ایک ذہنی قید کے

طور پر پیش کیا اور مسلمانوں کو اپنی آزادی، فکری بیداری اور خودی کے حصول کے لیے مغربی تسلط کے خلاف آواز بلند کرنے کی دعوت دی۔ ان کے مطابق، استعمار کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان اپنی اصل تعلیمات کو سمجھیں اور انہیں اپنی زندگیوں میں عملی طور پر اپنائیں تاکہ وہ مغربی استعمار کے اثرات سے باہر نکل سکیں اور اپنی تقدیر خود تخلیق کر سکیں۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> مغرب کے خلاف اقبال نے اس قدر تکرار کے ساتھ لکھا ہے کہ پڑھنے والا اس مغالطے میں بہتا ہو سکتا ہے کہ اقبال بڑا مشرق پرست، جامد ملا اور رجعت پسند ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نہ مشرق پرست ہے اور نہ مغرب پرست اور نہ وہ عقل کا ایسا مخالف ہے کہ اسے دین و دنیا کے لیے بے کار سمجھے۔ وہ اہل مشرق کے جمود، ان کا ہے کہ اسے دین وان کی پستی اور دین نما بے دینی سے کچھ میزار نہیں۔ [۱۱]

اقبال نے آزادی، خودمختاری اور مسلم قوم کی بحالی کو ایک اہم فلسفہ کے طور پر پیش کیا، جو برطانوی استعمار کے زیر اثر مسلمانوں کی زوال پذیر حالت کو بدلنے کے لیے ضروری تھا۔اقبال کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو صرف سیاسی آزادی کی ضرورت نہیں تھی بلکہ ان کو اپنی فکری، ثقافتی اور روحانی آزادی کی بھی اشد ضرورت تھی۔ مغربی استعمار نے نہ صرف مسلمانوں کو اقتصادی وسیاسی طور پر غلام بنالیا تھا بلکہ ان کی ذہنی اور روحانی آزادی بھی چھین لی تھی۔اقبال کے مطابق، مسلم قوم کی بحالی کا آغاز اس وقت ممکن تھا جب مسلمان اپنی خودی کو پہچانیں اور اپنی فطری صلاحیتوں کا ادراک کر کے اپنی تقدیر خود تخلیق کریں۔ ان کے فلسفے میں آزادی کا تصور صرف بیرونی تسلط سے نجات تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ داخلی قوتوں اور فکری آزادی کی طرف بھی اشارہ کرتا تھا۔

مسلمانوں کی خودمختاری کے لیے اقبال نے ایک مربوط قومی اور فکری تحریک کی ضرورت محسوس کی، جس میں مسلمان اپنی اسلامی تعلیمات، روایات اور ثقافت کو دوبارہ زندہ کریں۔انہوں نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ وہ اپنی خودی کو بلند کریں اور عالمی سطح پر ایک طاقتور اور خودمختار قوم کے طور پر ابھریں۔ اقبال نے اسلامی اتحاد اور ملت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ اگر مسلمان اپنی مشترکہ شناخت اور مقصد کے تحت متحد ہوں، تو وہ نہ صرف سیاسی و اقتصادی آزادی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اپنے ثقافتی و فکری احیاء کے ذریعے عالمی سطح پر ایک نیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان کا ایمان تھا کہ مسلم قوم کی بحالی کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے اخلاقی، روحانی اور معاشی پہلوؤں کو بہتر بنائے، تاکہ وہ ایک مستحکم اور خودمختار قوم بن سکیں جو نہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ کر سکے بلکہ دنیا میں ایک رہنمائی کا کردار بھی ادا کرے۔

علامہ اقبال کی شاعری میں قرآن کی روح گہرے انداز میں ظاہر ہوتی ہے، کیوں کہ انھوں نے قرآن کو صرف ایک مذہبی کتاب نہیں سمجھا بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات اور فکری رہنمائی کے طور پر دیکھا۔ اقبال کی شاعری میں قرآن کی تعلیمات کی گونج اس وقت کے مسلمانوں کی فکری بیداری اور روحانی تجدید کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اقبال نے قرآن کی آیات کو اپنے کلام میں شامل کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کی اصل حقیقت، خودی، اور تقدیر کے بارے میں آگاہ کیا۔ ان کا ایمان تھا کہ قرآن کی روشنی میں انسان اپنی حقیقت کو پہچان سکتا ہے اور اپنی تقدیر خود بنا سکتا ہے۔ اقبال کی شاعری میں قرآن کی تعلیمات جیسے توحید، عدل، علم، عمل کی اہمیت اور انسان کی بلند ہمتی کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے، جو مسلمانوں کو اپنی خودمختاری اور آزادی کے لیے متحرک کرتی ہیں۔

اقبال کے اشعار میں قرآن کی روح اس طرح جھلکتی ہے کہ وہ انسانوں کو مادی دنیا کے بغض اور نفرتوں سے بلند ہو کر ایک روحانی انقلاب کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ قرآن کی تعلیمات نے اقبال کو یہ سمجھنے میں مدد دی کہ انسان کو اپنی زندگی میں مقصدیت اور جدوجہد کو اپنانا چاہیے تاکہ وہ اپنی خودی کو بلند کر سکے اور دنیا میں فلاح حاصل کر سکے۔ اقبال کی شاعری میں قرآن کا پیغام ایک انقلابی قوت کی طرح ظاہر ہوتا ہے جو نہ صرف فرد کی اصلاح بلکہ پوری امت کی اجتماعی بیداری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ انہوں نے قرآن کی تعلیمات کو ایک ایسی گہرائی سے سمجھا اور پیش کیا کہ ان کا پیغام صرف روحانیت تک محدود نہیں رہا بلکہ وہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی فکری و سماجی ترقی اور اصلاح کی طرف بھی رہنمائی کرتے ہیں۔ نوآبادیاتی غلامی کے خلاف اقبال نے وحدت کا پیغام دیتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی مشترکہ شناخت اور مقصد کے تحت متحد ہونے کی ضرورت پر زور دیا۔ اقبال کا خیال تھا کہ برطانوی استعمار نے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی و اقتصادی طور پر تقسیم کیا بلکہ انہیں ذہنی اور فکری طور پر بھی منتشر کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں وہ اپنی قوت کو یکجا نہیں کر پائے۔ اقبال نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ ان کی فلاح اور کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اپنی اسلامی شناخت کو بحال کریں اور قرآن کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے داخلی اختلافات کو ختم کریں۔ ان کا پیغام تھا کہ مسلمان اپنے روحانی، ثقافتی اور فکری ورثے کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے آپ کو مغربی طاقتوں کے تسلط سے آزاد کر سکتے ہیں۔ اقبال کے مطابق، مسلمانوں کی حقیقی آزادی اور خودمختاری کا راز ان کی وحدت میں چھپا ہوا ہے، اور وہ اس وقت تک عالمی سطح پر ایک طاقتور قوم نہیں بن سکتے جب تک وہ اپنے داخلی اختلافات کو مٹا کر یکجانہ ہوں۔ اقبال نے اپنی شاعری اور خطبات میں مسلمانوں کو ایک عالمی برادری کے طور پر دیکھنے کی کوشش کی اور ان کو بتایا کہ ان کی طاقت کا

سرچشمہ ان کی اتحاد میں ہے۔ ان کے نزدیک، جب تک مسلمان اپنی مشترکہ اہداف اور اقدار کے تحت متحد نہیں ہوتے، تب تک وہ نوآبادیاتی نظام کے خلاف مؤثر طریقے سے جدوجہد نہیں کر سکتے۔ اقبال نے مسلمانوں کو قرآن کی رہنمائی سے یہ سکھایا کہ ان کی اصل طاقت ان کی روحانی اور فکری قوت میں ہے، جو کہ صرف اور صرف اجتماعی وحدت کے ذریعے ہی پروان چڑھ سکتی ہے۔ اس طرح، اقبال نے نوآبادیاتی غلامی کے خلاف مسلمانوں کی جدوجہد میں وحدت کو ایک لازمی عنصر قرار دیا اور اس کے ذریعے ان کے سیاسی، سماجی، اور فکری احیاء کی ضرورت پر زور دیا۔

قرآنی توحید کا تصور اور اقبال کا فلسفہ خودی ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ دونوں کا مقصد انسان کی حقیقی شناخت اور اس کی داخلی قوت کو اجاگر کرنا ہے۔ قرآن میں توحید کا تصور اللہ کی واحدیت اور اس کی ہر چیز پر مکمل حاکمیت کی تصدیق کرتا ہے، جو انسان کو اپنے خالق کے ساتھ تعلق اور اس کی رضا کے حصول کی طرف رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اقبال نے اس قرآنی تصور کو اپنے فلسفہ خودی میں اس طرح شامل کیا کہ انہوں نے انسان کو اپنی خودی اور انفرادی عظمت کا شعور دلایا، اور اس کو یہ سمجھایا کہ انسان کی حقیقی طاقت اور ترقی اللہ کی واحدیت کی حقیقت کو تسلیم کرنے میں ہے۔ اقبال کا فلسفہ خودی یہ بتاتا ہے کہ انسان جب اپنی فطری صلاحیتوں اور صلاحیتوں کو سمجھ کر انہیں اللہ کی رضا کی جانب استعمال کرتا ہے، تو وہ اپنی خودی کو بلند کرتا ہے اور زندگی کا حقیقی مقصد حاصل کرتا ہے۔

اقبال نے قرآن کی توحید کو ایک روحانی اور عملی حقیقت کے طور پر پیش کیا، جس سے انسان کو نہ صرف روحانی سکون ملتا ہے بلکہ وہ دنیا میں اپنی تقدیر خود بنا سکتا ہے۔ اقبال کے مطابق، انسان کی خودی کا بلند کرنا اس کی اپنی آزادی اور انفرادی قوت کا ادراک کرنے سے ممکن ہے، جو کہ قرآن کی توحید کے تصور سے ہم آہنگ ہے۔ توحید انسان کو اس کے خالق کے ساتھ گہرے تعلق میں مبتلا کرتی ہے، اور اس کا خودی کے فلسفے کے ساتھ رشتہ اس لیے بھی مضبوط ہے کیونکہ توحید میں انسان کی خودمختاری کا کوئی تصادم نہیں ہوتا بلکہ یہ خودی کے مقام کو بلند کرنے کا ایک راستہ فراہم کرتی ہے۔ اس طرح اقبال کے فلسفہ خودی اور قرآن کی توحید کا تصور ایک دوسرے کے تکملہ ہیں، جو انسان کو اپنی حقیقت اور طاقت کا شعور دلاتے ہیں اور اسے ایک مکمل اور متوازن زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> تسخیر و تعمیر کائنات، فکر اقبال کا ایک اہم پہلو ہے جو براہِ راست قرآن پاک سے ماخوذ ہے۔ دراصل انسان کو کائنات کی مخلوقات پر جو فضیلت عطا کی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی پوری صلاحیت اور استعداد کو بروے کار لاکر زندگی کو اسلامی معیاروں کے مطابق بہتر اور حسین بنانے کے لیے پیہم جدوجہد کرے

اور اسی کا نام جہاد ہے۔ اسلام میں جہاد پر جس قدر زور دیا گیا ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ زیر مطالعہ نظم میں اقبال نے انسان کی قوت تعمیر و تسخیر کے ذکر کو انتہائی مربوط شکل میں پیش کیا ہے۔ [۱۲]

نو آبادیاتی تسلط کے خلاف توحید کا انقلابی پیغام اقبال کی شاعری اور فکر میں اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ اقبال نے توحید کو نہ صرف ایک روحانی اصول کے طور پر دیکھا بلکہ اسے سیاسی اور سماجی آزادی کا ذریعہ بھی سمجھا۔ ان کے نزدیک توحید کا اصل پیغام یہ ہے کہ اللہ کی واحدیت کی حقیقت کو تسلیم کرنا انسان کو اپنے حقیقی خودی اور آزادی کا شعور دلاتا ہے۔ جب انسان اللہ کے سوا کسی دوسری طاقت یا تسلط کو تسلیم نہیں کرتا، تو وہ نو آبادیاتی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اقبال کا یہ ماننا تھا کہ مغربی استعمار نے مسلمانوں کو اپنے تسلط میں جکڑ کر انہیں ذہنی اور روحانی طور پر غلام بنالیا تھا، اور توحید کا پیغام مسلمانوں کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ اپنی آزادی اور خودمختاری کے لیے صرف اور صرف اللہ کی رضا اور ہدایت پر انحصار کریں، نہ کہ کسی مادی طاقت یا بیرونی تسلط پر۔ اقبال نے توحید کو ایک انقلابی قوت کے طور پر پیش کیا جو انسان کی داخلی آزادی اور خودمختاری کو مستحکم کرتی ہے۔ ان کے خیال میں، جب مسلمان توحید کی حقیقی روح کو سمجھ کر اپنی زندگیوں میں اسے اپناتے ہیں، تو وہ نو آبادیاتی تسلط کے خلاف ایک ذہنی اور روحانی بغاوت کرتے ہیں۔ توحید انہیں اپنے خالق کے ساتھ گہرے تعلق میں مبتلا کرتی ہے اور انہیں یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ اپنی تقدیر کے خود مختار مالک ہیں۔ اس طرح، اقبال نے توحید کے پیغام کو نہ صرف ایک روحانی اصول بلکہ ایک انقلابی قوت کے طور پر استعمال کیا، جو مسلمانوں کو اپنے حقوق، آزادی اور خودمختاری کے لیے جدوجہد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

نو آبادیاتی نظام کے تحت انسان کی حیثیت پر اقبال کی شاعری ایک گہری تنقید اور فکری بغاوت کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ اقبال نے نو آبادیاتی حکمرانی کو انسانیت کے خلاف ایک سازش کے طور پر پیش کیا، جہاں مقامی عوام خاص طور پر مسلمان اپنے انسانی حقوق سے محروم ہو گئے تھے اور انہیں ذہنی و روحانی طور پر غلام بنالیا گیا تھا۔ ان کے مطابق، نو آبادیاتی نظام نے انسان کی خودی کو پامال کیا، اور اسے ایک مجبور، بے خود اور تابع فرمان وجود میں تبدیل کر دیا۔ اقبال نے اس نظام کو انسان کی فطری صلاحیتوں اور عزت نفس کو کچلنے والا قرار دیا، جس کی وجہ سے انسان اپنی اصل حقیقت اور آزادی سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں انسان کی حالتِ غلامی پر شدید افسوس کا اظہار ملتا ہے اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی دیا گیا ہے کہ انسان کو اپنی حقیقی آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنی خودی کو پہچاننا ضروری ہے۔

اقبال نے اپنی شاعری میں انسان کی حیثیت کو ایک بلند مقام پر رکھا، جہاں وہ اپنی فطری قوتوں کا استعمال کر کے اپنی تقدیر خود بنا سکتا ہے۔ انہوں نے نو آبادیاتی نظام کے تحت انسان کی حالت کو ایک اذیت اور جبر کی حالت کے طور پر پیش کیا، اور اسے آزادی کے حصول کے لیے بیدار ہونے کی ترغیب دی۔ اقبال کا کہنا تھا کہ جب انسان اپنی خودی کو پہچان کر اسے بلند کرتا ہے، تو وہ نہ صرف اپنی ذاتی غلامی سے آزاد ہوتا ہے بلکہ اجتماعی طور پر بھی نو آبادیاتی تسلط کے خلاف کھڑا ہو سکتا ہے۔ ان کے خیال میں، انسان کا اصل مقام صرف خارجی آزادی تک محدود نہیں بلکہ یہ داخلی آزادی اور فکری بیداری میں مضمر ہے، جو نو آبادیاتی نظام کے تحت غلام بنے ہوئے افراد کو ان کی خودی کی شناخت میں مدد دے سکتی ہے۔ نو آبادیاتی نظام کے تحت انسان کی حیثیت پر اقبال کی شاعری میں یہ واضح طور پر دکھایا گیا ہے کہ استعماری حکمرانی نے انسان کو اس کی فطری عظمت اور آزاد ارادے سے محروم کر دیا تھا۔ اقبال نے اس غلامی کی حالت کو ایک ایسی ذہنی و روحانی قید کے طور پر پیش کیا جس میں انسان نہ صرف جسمانی طور پر مقہور تھا بلکہ ذہن اور روح کی آزادی بھی چھین لی گئی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ نو آبادیاتی طاقتوں نے انسانوں کی ذہنی غلامی کو استحکام بخشا، ان کی فکر اور اقدار کو مغربی معیارات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، جس سے مقامی قوموں، خاص طور پر مسلمانوں، کی شناخت اور روحانیت کو نقصان پہنچا۔ اقبال کا خیال تھا کہ جب انسان اپنے اندرونی ذرائع اور خودی کی قوت کو پہچانتا ہے، تب ہی وہ اس غلامی سے آزاد ہو سکتا ہے۔ ان کی شاعری اس بات کا عکاس ہے کہ نو آبادیاتی نظام نے انسان کی اصل حقیقت اور قدرتی عظمت کو دفن کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں وہ سماجی، سیاسی، اور فکری طور پر محکوم بن گئے تھے۔

مشرق کے نیَستاں میں ہے محتاجِ نفَس نَے
شاعر! ترے سینے میں نفَس ہے کہ نہیں ہے
تاثیرِ غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم
اچھّی نہیں اُس قوم کے حق میں عجَمی لَے (۱۳)

دوسری طرف، اقبال نے اپنی شاعری میں اس بات پر زور دیا کہ انسان کی حقیقی حیثیت کسی بھی بیرونی طاقت یا تسلط کی غلامی میں نہیں بلکہ اس کی روحانیت، خودی اور فطری صلاحیتوں میں ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ نہ صرف اپنے جسمانی استحصال کو ختم کریں بلکہ ذہنی اور روحانی سطح پر بھی آزادی حاصل کریں۔ اقبال کے مطابق، انسان کی طاقت اور اس کا اصل مقام اس کی خودی میں چھپا ہوا ہے، اور یہ خودی تب تک اجاگر نہیں ہو سکتی جب تک انسان اپنے داخلی استعمار سے آزاد نہ ہو۔ اقبال

نے اس تناظر میں قرآنی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کا حوالہ دے کر مسلمانوں کو اپنی حقیقی حیثیت کا ادراک کرایا، کہ وہ جس وقت اپنی اصل شناخت اور طاقت کو پہچانیں گے، اس وقت وہ نوآبادیاتی تسلط کے خلاف کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ اس طرح اقبال نے انسان کی حیثیت کو اس کی آزادی، خودی اور عزت نفس کے حوالے سے ایک بلند مقام پر رکھا، جو نوآبادیاتی نظام کے اثرات سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا۔

اجتہاد کی ضرورت ایک اہم مسئلہ ہے جس کا تعلق قرآن کی ہدایت کو جدید چیلنجز کے تناظر میں سمجھنے اور ان پر عمل کرنے سے ہے۔ قرآن ایک عالمی اور ابدی ہدایت ہے جو تمام انسانوں کے لیے ہے، لیکن وقت اور حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق اس کی تشریح اور تطبیق کی ضرورت پڑتی ہے۔ اقبال نے اجتہاد کی اہمیت پر زور دیا کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں کو اپنے دین کو جدید دنیا کے مسائل اور چیلنجز کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کی تعلیمات نہ صرف روحانیت اور عبادات کے حوالے سے رہنمائی فراہم کرتی ہیں بلکہ ان میں انسانوں کی اجتماعی زندگی، سیاست، معیشت، اور اخلاقی اقدار کے بارے میں بھی جامع ہدایات موجود ہیں۔ اجتہاد کا مقصد یہی ہے کہ قرآن کی بنیادوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے موجودہ دور کے مسائل کا حل نکالا جائے، تاکہ دین اور دنیا کے مابین ایک توازن قائم ہو سکے۔ جدید دور میں آتے ہوئے مختلف سماجی، سیاسی اور معاشی چیلنجز نے مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنی مذہبی تعلیمات کو جدید سائنسی، فنی اور تکنیکی ترقیات کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔ اقبال نے اجتہاد کو ایک فکری بیداری کے طور پر پیش کیا جس کا مقصد مسلمانوں کو اپنے مسائل کا حل خود تلاش کرنے کی ترغیب دینا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ قرآن میں ہر دور کے لیے رہنمائی موجود ہے، لیکن اس رہنمائی کو صحیح طریقے سے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اجتہاد مسلمانوں کو اس بات کا شعور دیتا ہے کہ وہ دین کے اصولوں کو اپنی موجودہ زندگی کی ضروریات کے مطابق جدید تشریحات اور تفسیروں کے ذریعے فہم و عمل میں لا سکتے ہیں۔ اس طرح، اجتہاد نہ صرف دینی نصوص کی تفہیم میں مدد دیتا ہے بلکہ مسلمانوں کو اپنے معاشرتی، سیاسی اور معاشی مسائل کے حل کے لیے جدید حل پیش کرنے کی بھی صلاحیت فراہم کرتا ہے۔

نوآبادیاتی نظام کے تناظر میں اجتہاد کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کیوں کہ استعمار نے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی و اقتصادی طور پر مغلوب کیا بلکہ ان کی ذہنی آزادی اور فکری خودمختاری بھی ختم کر دی تھی۔ استعمار کی طاقتوں نے مسلمانوں کے عقائد، ثقافت اور تہذیب کو اپنے تسلط کے تحت مسخ

کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں مسلمان اپنے مذہبی اصولوں اور اس کے عملی اطلاق میں خلفشار کا شکار ہو گئے تھے۔ اقبال جیسے مفکر نے اس صورت حال میں اجتہاد کی اہمیت پر زور دیا تاکہ مسلمان اپنے دینی اصولوں کو جدید دور کے مسائل اور چیلنجز کے ساتھ ہم آہنگ کر سکیں۔ اجتہاد مسلمانوں کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ قرآن و سنت کی بنیادی ہدایات کے مطابق اپنے دور کے مسائل کا حل تلاش کریں اور اس کے ذریعے استعمار کی ذہنی اور فکری غلامی سے نجات حاصل کر سکیں۔ اس عمل کی مدد سے مسلمانوں کو نہ صرف دینی تعلیمات کی تازہ تفہیم حاصل ہو سکتی ہے بلکہ وہ نوآبادیاتی اثرات سے آزاد ہو کر اپنی خود مختاری کی طرف بھی قدم بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، نوآبادیاتی دور میں مسلمانوں کی فکری و ثقافتی جمود اور تنگ نظری نے ان کے انقلابی اور فکری ارتقاء میں رکاوٹ ڈالی تھی۔ اقبال نے اجتہاد کو ایک ایسا ذریعہ سمجھا جس کے ذریعے مسلمان اپنے اندر کی قوتوں کو بروئے کار لا کر استعمار کے اثرات کو شکست دے سکتے ہیں۔ اجتہاد کا مقصد صرف فقہی مسائل تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ ایک فکری و ثقافتی تحریک کا آغاز تھا جس کے ذریعے مسلمان اپنے مذہب کی حقیقی روح کو سمجھ کر جدید دور کی سائنسی، فلسفیانہ اور معاشی ترقیات کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ اقبال کا ماننا تھا کہ اجتہاد مسلمانوں کو ذہنی آزادی فراہم کرتا ہے اور ان کو اپنی تقدیر خود بنانے کی طاقت دیتا ہے۔ اس طرح، اجتہاد ایک فکری انقلاب کی صورت اختیار کرتا ہے جو نوآبادیاتی تسلط کے خلاف جدوجہد کو ممکن بناتا ہے اور مسلمان قوم کو ایک نیا شعور فراہم کرتا ہے تاکہ وہ اپنی مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل کر سکیں۔

اقبال کے خطبات اور شاعری میں اجتہاد کی جھلک ایک فکری انقلاب کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ اقبال نے اجتہاد کو اسلامی معاشرت کی فلاح اور ترقی کے لیے ضروری قرار دیا اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ وہ اپنے مذہب کی بنیادوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق فکری اصلاحات کریں۔ ان کے خطبات میں اجتہاد کا مقصد صرف دینی مسائل تک محدود نہیں تھا بلکہ اقبال نے اسے ایک فکری تحریک کے طور پر پیش کیا جس کے ذریعے مسلمان اپنے معاشی، سیاسی، اور ثقافتی چیلنجز کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اقبال نے مسلمانوں کو بتایا کہ اگر وہ قرآن اور سنت کی رہنمائی سے اپنے مسائل کا حل تلاش کریں گے تو وہ نہ صرف نوآبادیاتی نظام سے آزاد ہو سکتے ہیں بلکہ اپنی تقدیر کو بھی خود تخلیق کر سکتے ہیں۔ ان کی شاعری میں اجتہاد کی اہمیت بار بار اجاگر کی گئی، جہاں انہوں نے مسلمانوں کو اپنی سوچ میں تبدیلی لانے اور اپنے مذہبی اصولوں کو عملی طور پر اپنانے کی ترغیب دی۔ اقبال کی شاعری

میں اجتہاد کا پیغام اس وقت زیادہ واضح ہوتا ہے جب وہ مسلمانوں کو اپنی خودی کی پہچان کرنے اور داخلی ترقی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اقبال کا خیال تھا کہ اجتہاد صرف دینی مسائل تک محدود نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کے فکری ارتقاء کے لیے ایک جامع عمل ہے جس کے ذریعے وہ نہ صرف اپنے مذہب کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں بلکہ دنیا کے جدید تقاضوں کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری میں اس بات کو اجاگر کیا کہ اجتہاد انسان کو ایک آزاد فکر کی طرف لے جاتا ہے، جو اسے مغربی استعمار یا کسی بھی بیرونی طاقت کے تسلط سے آزاد کر دیتا ہے۔ ان کی شاعری میں اجتہاد کو ایک انقلابی قوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو مسلمانوں کو اپنی فکری و ثقافتی آزادی کی طرف گامزن کرتا ہے اور انہیں یہ سکھاتا ہے کہ دینِ اسلام کی حقیقت کو نئے انداز میں سمجھ کر وہ اپنی تقدیر بدل سکتے ہیں۔

اقبال کی شاعری میں قرآنی تعلیمات کے ذریعے امت کی بیداری کا پیغام ایک روشن اور طاقتور عنصر کے طور پر ابھرتا ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں قرآن کی تعلیمات کو مسلمانوں کی اجتماعی اور فردی بیداری کا ذریعہ بنایا۔ ان کے مطابق قرآن نہ صرف ایک روحانی کتاب ہے بلکہ ایک ضابطہ حیات بھی ہے جو انسانوں کو فکری، اخلاقی اور معاشی سطح پر ارتقاء کی راہ دکھاتا ہے۔ اقبال نے قرآن کی روشنی میں مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اپنی اصل حقیقت کو پہچانیں اور اپنی خودی کو بلند کریں۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی کمزوری اور پستی کا سبب قرآن کی تعلیمات سے دوری ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے اشعار میں امت مسلمہ کو قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں بیدار ہونے کی ترغیب دی، تاکہ وہ اپنی اجتماعی طاقت کو دوبارہ حاصل کر سکیں اور دنیا میں اپنی حیثیت کو منوا سکیں۔ اس حوالے علامہ اقبال کی نظم اجتہاد دیکھیے:

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذّتِ کردار، نہ افکارِ عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جُراَتِ اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!
خود بدلتے نہیں، قُرآں کو بدل دیتے ہیں
ہُوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سِکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق![۱۴]

اقبال نے اپنی شاعری میں قرآن کی تعلیمات کو امت مسلمہ کی فکری اور عملی رہنمائی کے طور پر پیش کیا۔ ان کا ماننا تھا کہ قرآن مسلمانوں کو ان کی تقدیر کی کنٹرول فراہم کرتا ہے اور وہ اپنی اجتماعی مشکلات کا حل خود تلاش کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ قرآن کی ہدایات کو اپنے روزمرہ کے عمل میں شامل کریں۔ اقبال نے قرآن کی تعلیمات کے ذریعے امت کو اس بات کا شعور دیا کہ ان کی کمزوری اور تفرقہ کا اصل سبب ان کی اپنی خودی کی عدم پہچان ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کو قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی تاکہ وہ ایک نئی فکری بیداری کے ذریعے اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکیں اور ایک متحد قوم بن کر عالمی سطح پر اپنی حیثیت کا لوہا منوا سکیں۔ اس طرح اقبال کی شاعری میں قرآنی تعلیمات کا پیغام امت کی بیداری اور خود اعتمادی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جو اس وقت کی نو آبادیاتی غلامی سے آزادی کی طرف ایک انقلابی قدم تھا۔

نو آبادیاتی غلامی سے آزادی کے لیے اقبال نے عملی تجاویز پیش کیں جو مسلمانوں کی فکری اور ثقافتی آزادی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ ان کے مطابق سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ مسلمان اپنی خودی کو پہچانیں اور اس پر یقین رکھتے ہوئے اپنی تقدیر خود بنائیں۔ اقبال نے مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ اپنی فکری اور روحانی آزادی کے لیے اجتہاد کو اپنائیں، تاکہ وہ قرآن کی تعلیمات کو جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق سمجھ سکیں اور اپنی زندگیوں میں عملی طور پر ان پر عمل پیرا ہوں۔ ان کا خیال تھا کہ اجتہاد مسلمانوں کو اپنی شناخت اور اقدار کو دوبارہ دریافت کرنے کا موقع فراہم کرے گا، جس سے وہ نو آبادیاتی تسلط سے آزاد ہو کر اپنی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکیں گے۔ اقبال نے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی طور پر خود مختار ہوں اور اپنے معاشی، سیاسی، اور معاشرتی امور میں مغربی تسلط سے باہر نکل کر اپنی اقدار اور ثقافت کو اپنائیں۔

دوسری طرف، اقبال نے مسلمانوں کی یکجہتی اور اتحاد پر بھی زور دیا کیوں کہ ان کے نزدیک انتشار اور تفرقہ نو آبادیاتی طاقتوں کی حکمت عملی تھی جو مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ان کی طاقت کو توڑنا چاہتی تھیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو اپنی طاقت کو یکجا کرنے کی ضرورت پر زور دیا، کیونکہ ایک متحد امت ہی استعمار کے خلاف مؤثر طریقے سے مزاحمت کر سکتی ہے۔ اقبال کی تجویز تھی کہ مسلمانوں کو ایک عالمی سطح پر اپنی خود مختاری کے لیے ایک نئے عزم اور جذبے کے ساتھ کوششیں کرنی ہوں گی، جس کے لیے وہ قرآن کی تعلیمات اور اسلامی تاریخ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ یہ اتحاد اور خودی کی بنیاد پر مسلمان نہ صرف نو آبادیاتی غلامی سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ ایک نئی فکری اور ثقافتی

تحریک بھی شروع کر سکتے ہیں جو مسلمانوں کی تقدیر کو بدل سکے۔ اقبال کا تصورِ ملت ایک فکری اور روحانی اتحاد کی بنیاد پر تھا، جس میں مسلمان اپنے مشترکہ عقائد، ثقافت، اور اقدار کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے عالمی سطح پر ایک مضبوط اور ہم آہنگ امت بن سکتے ہیں۔ اقبال نے ملت اسلامیہ کو ایک عالمی برادری کے طور پر دیکھتے ہوئے اس کے اتحاد کو مسلم دنیا کی ترقی اور فلاح کے لیے لازمی قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک مسلمان اپنے مشترکہ عقیدے اور اقدار کو اپنی زندگیوں میں اپنائیں گے، وہ نہ صرف داخلی طور پر مضبوط ہوں گے بلکہ استعمار کے خلاف بھی ایک مؤثر طاقت بن سکیں گے۔ اقبال کا تصورِ ملت صرف ایک جغرافیائی یا نسلی اتحاد نہیں تھا بلکہ ایک روحانی اور فکری جڑت تھی، جو مسلمانوں کو اپنے مشترکہ مقصد کے لیے متحد کر سکتی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک نئی شناخت دینے کے لیے قرآن کی تعلیمات کی طرف راغب کیا، تاکہ وہ اپنی خودی کو پہچان کر عالمی سطح پر اپنی حیثیت کو منوا سکیں۔

مغربی استعمار کے خلاف اقبال کی نظریاتی جنگ ایک فکری بغاوت کی صورت اختیار کرتی ہے، جس میں انہوں نے مغربی تہذیب اور ثقافت کو مسلمانوں کی ترقی میں رکاوٹ کے طور پر دیکھا۔ اقبال نے مغربی استعمار کی طاقت کو ایک فریب اور انسانیت کے خلاف ایک سازش سمجھا، جس نے مسلمانوں کو نہ صرف جسمانی طور پر محکوم بنایا بلکہ ان کی روحانیت اور فکری آزادی کو بھی داغ دار کیا۔ ان کا ماننا تھا کہ مغربی استعمار نے مسلمانوں کو ذہنی غلامی میں مبتلا کر لیا تھا اور ان کی خودی کو مٹانے کی کوشش کی تھی۔ اقبال نے اس استعمار کے خلاف ایک نظریاتی جنگ شروع کی، جس میں انہوں نے مسلمانوں کو اپنی اصل حقیقت اور خودی کی طرف متوجہ کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اپنے مذہب کی اصل روح کو سمجھ کر مغربی تسلط سے آزاد ہوں اور اپنی تقدیر خود تخلیق کریں۔ اس نظریاتی جنگ کے ذریعے اقبال نے مسلمانانِ عالم کو ایک نئی بیداری اور فکر کی دعوت دی تاکہ وہ مغربی استعمار کی ذہنی، فکری اور ثقافتی غلامی سے نجات پا سکیں۔ ڈاکٹر محمد آصف ان ضمن میں لکھتے ہیں:

> اقبال مغربی جارحانہ قومیت کے سخت مخالف تھے۔ جس کا اظہار ان کے کلام میں جابجا موجود ہے۔ لیکن وہ قومی حکومتوں کے خلاف نہ تھے۔ انھیں اس کا اچھی طرح احساس تھا کہ دنیا میں ایک عالمگیر نظام قائم کرنا مشکل ہے۔ چناچہ قوم، نسل، تاریخ، آب و ہوا اور دیگر جغرافیائی اختلافات ان کی نظر سے پوشیدہ نہ تھے۔[۱۵]

قرآن کی تعلیمات میں آزادی اور مساوات کا پیغام ایک بنیادی اور مرکزی اصول کے طور پر نمایاں ہے، جو تمام انسانوں کے حقوق اور فطری آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ اقبال نے قرآن کی تعلیمات

کو مسلمانوں کے لیے ایک ایسا ذریعہ سمجھا جس کے ذریعے وہ اپنے معاشرتی، سیاسی، اور ثقافتی مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ قرآن میں انسانوں کے درمیان تفاوت کو ختم کرنے اور ان کی برابری پر زور دیا گیا ہے، جو تمام انسانوں کو اللہ کے سامنے یکساں حیثیت دیتا ہے۔ اقبال نے قرآن کی ان تعلیمات کو اپنی شاعری اور خطبات میں مسلمانوں کے لیے ایک بیداری کے طور پر پیش کیا، جس کے ذریعے انہوں نے مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اپنے اندر کی حقیقی آزادی کو محسوس کریں اور کسی بھی بیرونی تسلط یا غلامی کے خلاف اپنی آواز بلند کریں۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق، انسان کو اللہ نے آزاد پیدا کیا ہے اور وہ اپنی تقدیر خود تخلیق کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

مساوات کے تصور کو بھی قرآن نے بڑے واضح انداز میں پیش کیا ہے، جہاں کسی بھی انسان کی اصل عظمت اس کی تقویٰ اور عمل صالح میں ہے، نہ کہ اس کی نسل، رنگ یا سماجی حیثیت میں۔ اقبال نے قرآن کی اس تعلیمات کو مسلمانوں کے لیے ایک بیداری کا پیغام سمجھا اور ان کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ وہ اپنے درمیان فرق و تفریق کو ختم کر کے ایک متحد اور مساوی معاشرہ قائم کریں۔ ان کے مطابق، قرآن کی یہ تعلیمات مسلمانوں کو ایک اجتماعی انصاف کے نظام کے قیام کی ترغیب دیتی ہیں جہاں ہر فرد کو یکساں حقوق حاصل ہوں۔ اقبال کا خیال تھا کہ یہی تعلیمات مسلمانوں کو نہ صرف دنیاوی ظلم و ستم سے آزاد کر سکتی ہیں بلکہ انہیں روحانی اور اخلاقی سطح پر بھی بلند کر سکتی ہیں۔ اس طرح، قرآن کی تعلیمات کے ذریعے آزادی اور مساوات کا پیغام اقبال کی فکری جدوجہد کا ایک مرکزی نقطہ تھا، جو مسلمانوں کو ان کے حقوق کی بازیابی اور ایک بہتر معاشرے کی تشکیل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اقبال کے قرآنی افکار کی موجودہ دور میں اہمیت ایک فکری اور روحانی بیداری کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، خاص طور پر جب ہم عالمی سطح پر مسلمانوں کی سیاسی، معاشی، اور ثقافتی پوزیشن کو دیکھتے ہیں۔ اقبال نے قرآن کی تعلیمات کو اس وقت کے نوآبادیاتی حالات میں مسلمانوں کے لیے ایک رہنمائی کے طور پر پیش کیا تھا، اور ان کے افکار آج بھی مسلمانوں کو اپنی حقیقت، خودی، اور عالمی حیثیت کا ادراک دلانے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں جہاں مغربی تہذیب اور ثقافت غالب ہے، اقبال کے قرآنی افکار مسلمانوں کو یہ سمجھنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اپنی روحانیت اور فطری عظمت کو دوبارہ دریافت کریں، اور قرآن کی تعلیمات کو جدید دنیا کے چیلنجز کے مطابق اپنائیں۔ اقبال نے اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا تھا، جس کا مطلب ہے کہ مسلمان اپنے دین کو حالات کے مطابق سمجھ کر اس پر عمل کریں، اور آج کے تیز رفتار بدلتے ہوئے عالمی حالات میں اس نظریے کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

علاوہ ازیں، اقبال کے قرآنی افکار میں جو خودی کا تصور ہے، وہ مسلمانوں کو اپنے اندر کی قوتوں کو پہچاننے اور اپنے مقصد کی جانب گامزن ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ آج کے دور میں جب دنیا بھر میں مسلمانوں کو فکری اور ثقافتی چیلنجز کا سامنا ہے، اقبال کا فلسفہ ایک طاقتور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ان کے قرآنی افکار مسلمانوں کو اپنی شناخت کو دوبارہ مضبوط کرنے، امت کی یکجہتی کو فروغ دینے، اور مغربی استعمار کی فکری اور ثقافتی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی ایک نئی روشنی دیتے ہیں۔ اس کے ذریعے، اقبال نے یہ دکھایا کہ قرآن کی تعلیمات نہ صرف روحانیت کے لیے اہم ہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی، سیاسی استحکام، اور معاشی ترقی کے لیے بھی ایک بنیادی اصول کا دروازہ کھولتی ہیں۔ اس طرح، اقبال کے قرآنی افکار آج کے دور میں مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط فکری اور روحانی رہنمائی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

آج کے نوآبادیاتی اثرات سے متاثرہ مسلم معاشروں کے لیے اقبال کا پیغام ایک فکری اور روحانی انقلابی پیغام ہے جو مسلمانوں کو ان کے فکری، ثقافتی اور سیاسی تسلط سے آزاد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری اور خطبات میں مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ وہ نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی اور فکری سطح پر بھی مغربی استعمار سے آزاد ہوں۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان اپنی خودی کو پہچان کر اور قرآن کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنی تقدیر کو بدل سکتے ہیں۔ اقبال کا پیغام یہ تھا کہ مسلمانوں کو نہ صرف اپنے ماضی سے جڑنا چاہیے بلکہ اپنے جدید تقاضوں کے مطابق اجتہاد کے ذریعے اپنے مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ اس کے ذریعے وہ نوآبادیاتی اثرات سے نجات پا کر ایک نئی فکری اور ثقافتی تحریک شروع کر سکتے ہیں، جو انھیں اپنے مقصد اور شناخت کی طرف رہنمائی کرے۔

اقبال نے مسلمانوں کو اپنی فکری اور ثقافتی خودمختاری کو دوبارہ حاصل کرنے کی ترغیب دی، تاکہ وہ مغربی استعمار کے اثرات سے آزاد ہو کر اپنی اصل روح کو دوبارہ دریافت کر سکیں۔ ان کا پیغام تھا کہ مسلمان ایک عالمی امت ہیں، اور ان کا اتحاد اور یکجہتی ہی ان کے نوآبادیاتی تسلط سے نجات کا راستہ ہے۔ اقبال کا ماننا تھا کہ جب تک مسلمان اپنی داخلی قوتوں اور طاقتوں کو پہچان کر ان پر یقین رکھتے ہوئے عمل نہیں کریں گے، وہ عالمی سطح پر اپنی حیثیت نہیں منوا سکیں گے۔ اقبال کا پیغام آج کے نوآبادیاتی اثرات سے متاثرہ مسلم معاشروں کے لیے ایک نئی روحانی اور فکری بیداری کا پیغام ہے، جس کے ذریعے وہ نہ صرف استعمار سے نجات پا سکتے ہیں بلکہ اپنی ترقی اور فلاح کے لیے ایک نئی راہ اختیار کر سکتے ہیں۔

اقبال کی شاعری میں قرآن کی روح اور نو آبادیاتی پس منظر کا ماحصل یہ ہے کہ اقبال نے قرآن کی تعلیمات کو مسلمانوں کی فکری، روحانی اور سماجی بیداری کا ذریعہ بنایا، تاکہ وہ نو آبادیاتی غلامی سے آزاد ہو سکیں۔ اقبال کا خیال تھا کہ قرآن نہ صرف ایک مذہبی کتاب ہے بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو مسلمانوں کو اپنی تقدیر خود بنانے کی طاقت فراہم کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں قرآن کی تعلیمات کو مسلمانوں کے اندر خودی کی شناخت، فکری آزادی اور اجتماعی یکجہتی پیدا کرنے کے لیے پیش کیا۔ اقبال نے قرآن کی ہدایات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ وہ اپنی روحانیت اور خودی پر ایمان رکھتے ہوئے عالمی سطح پر اپنی حیثیت کو منوا سکتے ہیں اور نو آبادیاتی تسلط سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

نو آبادیاتی پس منظر میں اقبال نے مسلمانوں کی کمزوریوں اور اندرونی انتشار کو ختم کرنے کے لیے قرآن کی تعلیمات کو اپنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ ان کا پیغام یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنے ماضی سے جڑ کر جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد اور فکری آزادی کو اپنانا ہوگا تاکہ وہ مغربی استعمار سے نجات حاصل کر سکیں۔ اقبال کی شاعری میں قرآن کی روح کا مطلب تھا ایک انقلابی تبدیلی کی دعوت جو مسلمانوں کو نہ صرف اپنے مذہبی اصولوں کی جدید تفہیم فراہم کرتی ہے بلکہ انہیں ایک طاقتور اور خود مختار امت کی شکل میں عالمی سطح پر اپنی حیثیت کی بازیابی کا پیغام دیتی ہے۔ اس طرح، اقبال کی شاعری قرآن کی روح کے ذریعے مسلمانوں کو ان کی تقدیر کا مالک بنانے اور نو آبادیاتی اثرات سے نجات دلانے کے لیے ایک فکری رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

* * *

حوالہ جات و حواشی

((۱)) علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اُردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۲۱ء، ص ۲۸۷

((۲)) ایضاً، ص ۲۳۲

((۳)) ایضاً، ص ۶۲۱

((۴)) ایضاً، ص ۳۶۱

((۵)) ایضاً، ص ۵۷۳

((٦)) ایضاً، ص ٣٧٥

((٧)) محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، حکمتِ اقبال، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، ٢٠١٨ء، ص ٣٧

(٨) محمد آصف ، ڈاکٹر، اقبال اور نیا نوآبادیاتی نظام (ما بعد نوآبادیاتی سیاق میں افکارِ اقبال کا مطالعہ)، لاہور، فکشن ہاؤس، ٢٠١٩ء، ص ١٢٠

(٩) علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال ، ص ٦٢٤

(١٠) ایضاً، ص ٦٣٨

(١١) خلیفہ، عبد الحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزمِ اقبال، لاہور، ٢٠١٨ء، ص ١٦٩

(١٢) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر ، اقبال کی طویل نظمیں(فکری و فنی مطالعہ)، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ٢٠١٨ء، ص ١١٢

(١٣) علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال ، ص ٦٢٦

(١٤) ایضاً، ص ٥٣٤

(١٥) محمد آصف، ڈاکٹر، اقبال اور نیا نوآبادیاتی نظام (ما بعد نوآبادیاتی سیاق میں افکارِ اقبال کا مطالعہ)، لاہور، فکشن ہاؤس، ٢٠١٩ء، ص ١٦١